کچھ سورۃ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق

(از جناب مولانا امتیاز علی عرشی صاحب رضا لائبریری رام پور)

قرآن مجید کی سورتوں میں سورۃ کہف اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں تین معنی خیز قصے بیان کئے گئے ہیں: قصۂ اصحاب کہف، قصۂ ملاقات موسیٰ و خضر اور قصۂ ذوالقرنین۔

شانِ نزول: اس سورت کی شانِ نزول میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کا بیان ہے کہ مشرکین مکہ نے یہودِ مدینہ کے پاس ایک وفد بھیجا اور دریافت کرایا کہ کیا اُن کے پاس ایسا علم ہے، جس کی مدد سے محمدؐ کے دعویٔ نبوت کی تصدیق یا تکذیب کی جا سکے۔ علماء یہود نے وفد سے کہا کہ تم اپنے مدعیٔ نبوت سے یہ تین سوال کرو:-

(۱) اصحابِ کہف کا قصہ کیا ہے؟ (۲) اُس مردِ جہاں گشت کا کیا واقعہ ہے جو زمین کے مشرق و مغرب تک گیا؟ اور (۳) روح کیا چیز ہے؟

اگر وہ اِن کے صحیح جواب دے دے، تو اُس کا کہا مانو۔ ورنہ جھوٹا قرار دے کر جو سلوک چاہو کرو۔

وفد نے واپس آکر قوم کے روبرو یہ تجویز رکھ دی۔ سب نے اسے پسند کیا، اور رسولِ پاک سے ان کے جواب طلب کئے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ مذکورۂ بالا سوال یہودِ مدینہ نے رسولِ پاک سے براہِ راست مدینۂ منورہ میں کیے تھے۔

چوں کہ سورۂ کہف بالاتفاق مکے میں نازل ہوئی تھی، اس لئے دوسرا قول ناقابلِ التفات ہے۔
جہاں تک قولِ اوّل کی سندوں کا تعلق ہے، مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم نے قصص القرآن (ج ۲/۱۱۳) میں لکھا ہے کہ "محدثین نے اس روایت کے مختلف طریقوں کو بیان کرکے اس کی تحسین فرمائی ہے"۔ مولانا نے اس موقع پر اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا، اس لئے اس روایت کی اسناد کی حیثیت کے بارے میں تفصیلی اور فیصلہ کن بحث ممکن نہیں۔ ہاں، انھوں نے ابن اسحٰق کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ سے مذکورۂ بالا وفد کا جو قصہ نقل کیا ہے، اُس پر اظہارِ رائے کیا جا سکتا ہے
یہ روایت سیرۃ ابن ہشام (ج ۱/۳۲۱) میں موجود ہے مگر اس میں سند محذوف ہے۔
شارحِ سیرتِ مذکور ابو القاسم السہیلی نے بھی الروض الأنف میں اس کی سند سے بحث نہیں کی۔
ہاں، طبری نے اپنی تفسیر (ج ۱۵/۱۱۸) میں پوری سند کے ساتھ اس روایت کو درج کیا ہے[1]۔
اُس کے الفاظ یہ ہیں: حدثنا ابوکریب ثنا یونس بن بُکیر عن محمد بن اسحٰق ثنی شیخ من اهل مصر، قدم منذ بضع وأربعین سنة، عن عکرمة عن ابن عباس الخ۔
اس سند میں ابن اسحٰق کے استاد کی شخصیت مجہول ہے۔ نیز جب ابن اسحٰق نے اس حدیث کو یونس بن بکیر سے بیان کیا ہے، تو شیخ مصری سے اُن کی ملاقات کو چالیس برس سے زائد زمانہ گزر چکا تھا، اس لئے یونس کے واسطے اس مجہول شخصیت کا ڈھونڈھ نکالنا آسان کام نہ تھا۔
اس صورتِ حال کے بیشِ نظر ابن اسحٰق کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔
الدر المنثور (ج ۵/۲۱۰) میں علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو ابن المنذر، ابونعیم اور البیہقی نے بھی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اور آخری دو مصنفوں کی کتابوں کے نام دلائل النبوۃ بتائے ہیں۔ سیوطی نے حسبِ عادت یہاں بھی سندیں حذف کر دی ہیں۔ میرے پاس صرف ابونعیم کی دلائل النبوۃ کا مطبوعہ نسخہ ہے مگر اُس میں یہ حدیث نہیں ملی۔ اس لئے ان

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۳/۷۱ میں بھی ابن اسحٰق سے ابن عباس تک سند مذکور ہے جو بظاہر طبری سے منقول ہے۔

کتابوں کی سندوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

الدر المنثور میں ابونعیم کی دلائل النبوۃ سے مذکورۂ بالا مضمون کی ایک اور حدیث نقل کی گئی ہے۔ سوءِ اتفاق سے یہ بھی مطبوعہ دلائل میں موجود نہیں۔ مگر سیوطی نے اُس کی سند میں یہ الفاظ نقل کر دئے ہیں: من طریق السدی الصغیر عن الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس الخ۔

اس سند میں سُدیِ صغیر غالی شیعہ ہے، کلبی کے بارے میں ابوحاتم کہتے ہیں کہ اس کو تمام محدثین نے چھوڑ دیا تھا۔ ابنِ حبان نے کہا ہے کہ یہ سبائی تھا، اور یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ حضرت علیؓ فوت نہیں ہوئے۔ وہ دنیا میں واپس آئیں گے اور اُسے جور کی جگہ عدل سے بھردیں گے۔ یا بوصالح کی وساطت سے حضرت ابنِ عباس سے تفسیر بیان کرتا تھا، جب کہ اس کو ابوصالح سے سماع کا موقع نہ ملا، اور ابوصالح نے ابنِ عباس کو دیکھا تک نہ تھا[1]۔

کلبی اور ابوصالح کے بارے میں اربابِ جرح وتعدیل کے مذکورہ اقوال کے پیشِ نظر اس روایت کا بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک درایت کا تعلق ہے، قولِ اول اس معیار پر بھی پورا نہیں اُترتا۔ مثالاً

(۱) یہ روایتیں بتاتی ہیں کہ اصحابِ کہف، ذوالقرنین اور روح کی حقیقت کے متعلق سوال ایک ہی وقت میں کیا گیا تھا، جس کے جواب میں سورۂ کہف کا نزول ہوا۔ مگر اس سورت میں روح سے متعلق سوال وجواب موجود نہیں، بلکہ یہ مسئلہ اس سے پہلی سورت بنی اسرائیل میں مذکور ہوا ہے۔ اگر یہ ذوالقرنین اور اصحابِ کہف کے ساتھ پوچھا گیا ہوتا، تو اس کا جواب بھی سورۂ کہف ہی میں دیا جاتا۔ لہٰذا وہ روایتیں قابلِ نظر ہوں گی جن میں مذکورۂ بالا تین سوالوں کا ایک ساتھ ہونا بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] خاتمہ تفسیر الثوری ۲۰۔۴

(۲) قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر سائلوں کے سوال اور اُن کے جواب نظر آتے ہیں مگر ایسی جگہوں پر پہلے "یسئلونک" سے سوال دہرایا گیا ہے، اور پھر اُس کا جواب عطا ہوا ہے مذکورہ روایات کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحابِ کہف کے بارے میں بھی سوال کیا گیا تھا، تو چاہیے یہ تھا کہ اس کا آغاز بھی "یسئلونک عن اصحاب الکہف" سے ہوتا، لیکن اس کا آغاز ہوا ہے ان الفاظ سے "ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من اٰیاتنا عجبا" اور عام روشِ قرآنی سے عدول کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی۔ لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ یہ مسئلہ کفارِ قریش کے سوالات کا جز نہ تھا، ورنہ اس کا آغاز بھی ذوالقرنین کے قصے کی طرح ہوتا۔

(۳) اصحابِ کہف کے بارے میں سوال یہود کا بتایا ہوا ہوتا، تو اُن کا تعلق یہود سے ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ ضروری تھا کہ یہود کی معتبر کتابوں میں اُن کا مذکور بھی ہوتا، تاکہ رسول اللہؐ کے جواب کی تصدیق یا تکذیب کے وقت علماء یہود اس نوشتے کو پیش کرتے مگر تمام مفسرین اصحابِ کہف کو عیسائی قرار دیتے ہیں، جو اپنا دین بچانے کے لئے ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے تھے، ظاہر ہے کہ اُن کا قصہ اپنی صحیح شکل میں مشرکینِ مکہ کے سامنے آتا، تو انھیں عیسائیوں سے ہمدردی اور یہودیوں سے جو عیسائیوں کو کافر قرار دیتے تھے، نفرت پیدا ہوتی، جسے یہود کسی طرح پسند نہیں کر سکتے تھے، علاوہ ازیں کسی یہودی کتاب میں ان غار والوں کا ذکر نہیں، لہذا یہودی قرآن مجید کے بیان کی تصدیق یا تکذیب سے یکسر قاصر تھے، اور جس امر کے بارے میں اُن کے پاس علم نہ تھا اُس کو بطور سوال پیش کرنے کی کس طرح جرأت کر سکتے تھے[۱]

---

[۱] ابراہیم ولفنسن نے اپنی عربی کتاب تاریخ الیہود فی بلاد العرب ص ۹۰ (طبع مصر ۱۹۲۷ء) میں ابن ہشام کی روایت نقل کرکے لکھا ہے کہ تلمود کا ایک قصہ اصحابِ کہف کی داستان کے مشابہ ہے۔ یہود نے اسی کو اپنے سوال کی بنیاد بنایا ہوگا۔ اس سلسلے میں تلمود کی کتاب بَبَا بَشرا دیکھی جائے میں عرض کرتا ہوں کہ تلمود (ج ۷، ۲۰۵) میں جو قصہ مذکور ہے، وہ مختصراً یہ ہے کہ ایک یہودی نے وادئ سینا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد کے چند مردے اصلی حالت میں چِت لیٹے دیکھے تھے۔ اگر یہود نے اس کے پیشِ نظر سوال کیا ہوتا، تو وہ قرآنِ مجید کے جواب کی تکذیب کرتے۔ حالانکہ اس طرح کی کوئی بات ماخذوں میں نہیں ملتی۔ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوال یہود کی طرف سے تھا ہی نہیں۔

(۴) ذوالقرنین کے بارے میں سوال بھی یہود کا بتایا نہیں معلوم ہوتا، کیوں کہ توریت کے کسی صحیفے میں ذوالقرنین لقب کے کسی بادشاہ کا ذکر نہیں۔ اور نہ کسی ایسے فرمانروا کا ذکر ہے جس نے وہ تین مہمیں سر کی ہوں، جن کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ وہ کسی ایسے فرمانروا کا حال دریافت کراتے جس کا نہ اُن سے کوئی تعلق اور نہ اُن کی کتابوں میں اُس کا مذکور تھا۔

۵۔ ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق یہودی علماء نے وفد سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تمھارا مدعیِ نبوت ان سوالوں کے جواب دے دے تو اُسے نبی مانو، اور اُس کی اطاعت کرو، ورنہ جھوٹا سمجھو اور جو سلوک مناسب جانو کرو۔

عقلاً یہ بات بھی علماء یہود کے کہنے کی نہ تھی، کیوں کہ وہ کسی غیر یہودی کو نبی ماننے کو آمادہ نہ تھے، بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ وہ صرف اُس کو نبی مان سکتے تھے، جس کی علامات اُن کے نبیوں کے صحیفوں میں مندرج تھیں، اور رسولِ پاک کے سلسلے میں کفارِ قریش کو جو نشانیاں بتائی تھیں، وہ اُن کے منتظر نبی کی نہ تھیں۔ اور اگر تھیں، تو اُن کو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ تمھارے مدعیِ نبوت نے صحیح جواب دے دئے، تو ہم تم سب اُن پر ایمان لے آئیں گے۔

۶۔ کلبی کی روایت میں ہے کہ علماء یہود نے رسولِ پاک کے تمام حالات سُن کر کہا کہ "ہم اس کے اوصاف اور بعثت کا ذکر تورات میں پاتے ہیں۔ پس تم نے جو اوصاف بیان کیے ہیں اگر وہ ایسے ہی ہیں تو انھیں نبیِ مرسل مانو اور اُن کے کام کو حق سمجھ کر اُن کا اتباع کرو۔ البتہ تین باتیں ان سے پوچھ دیکھو۔ اگر وہ نبی ہیں تو دو کا جواب دیں گے اور تیسری کو لاجواب چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ ہم نے مسیلمہ سے یہی سوال کئے تھے۔ وہ کسی ایک سے بھی واقف نہ نکلا۔"

یہ روایت ابن اسحٰق کی روایت سے بھی کمزور ہے کیوں کہ اس میں یہودی اقرار کرتے ہیں کہ توریت میں منتظر نبی کے جو اوصاف مذکور ہیں وہ تمھارے بیان کے مطابق اس شخص میں موجود ہیں، لہذا اُسے نبی برحق مان کر اتباع کرو۔ بمزید احتیاط تین سوال بھی بتا دیتے ہیں تاکہ اُن کی صداقت

اور پختہ ہو جائے لیکن یہ نہیں کہتے کہ ہم بھی اُن پر ایمان لے آئیں گے، اور نہ خود مزید تحقیق کے لئے آمادہ ہوتے ہیں، اور نہ اُن کے ساتھ یا جُداگانہ مکّے آکر آپ سے ملتے اور آپ میں بیان کردہ توراتی اوصاف کا معاینہ کر کے آپ کی تصدیق یا تکذیب کرتے ہیں، جب کہ از روئے صحائفِ توراۃ اُن پر ایسے نبی کو پا کر اُس پر ایمان لانا فرض تھا۔

(۷) ذوالقرنین سے متعلق ایک روایت میں اُسے بجائے ذوالقرنین کے "رجل طواف بلغ مشارق الارض و مغاربھا" کہا ہے، اور دوسری میں ہے "رجل کان یسیح فی الارض" سوال کی یہ تعمیم روایت کو ناقابلِ قبول بناتی ہے، کیوں کہ ہوشیار ممتحن اس قسم کا سوال مرتب نہیں کیا کرتا، جس کا متعین جواب نہ ہو۔ ورنہ جواب کی تصدیق یا تکذیب اُس کے بس کی نہیں ہو سکتی۔

۸۔ ابن ابی حاتم نے سدی سے یہ روایت کی ہے کہ یہود نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ آپ ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ وغیرہ انبیاء کا جو ذکر کرتے ہیں، یہ سب آپ نے ہم سے سنا ہے۔ اب ذرا اُس نبی کے بارے میں بتائیے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے توریت میں صرف ایک جگہ کیا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا، وہ کون ہے؟ یہود نے کہا: ذوالقرنین۔ آپ نے فرمایا، مجھے اس کے بارے میں کوئی (غیبی) خبر نہیں ملی۔ یہ سن کر یہود خوش خوش واپس ہوئے اور یہ سمجھے کہ ہم جیت گئے، مگر ابھی دروازے تک بھی نہ پہنچے تھے کہ جبریلؑ متعلقہ آیات لے کر اُتر آئے۔ (الدر المنثور ۴/۲۴۰)

مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم نے اس روایت کی بابت لکھا ہے کہ "اس جگہ راوی نے اختصار سے کام لیا ہے۔ صحیح تفصیل یہ ہے کہ ان سوالات کا انتخاب یہود نے کیا تھا، مگر قریش کی زبان سے ادا کرائے گئے۔ اور ہو سکتا ہے کہ سوال میں لفظ توراۃ دیکھ کر نیچے کے کسی راوی نے اپنے وہم سے ان سوالات کو بلا واسطہ یہود کی جانب سے سمجھ لیا ہو" (قصص القرآن ۳۰/۱۱۳)۔

میری دانست میں یہ روایت سب سے زیادہ قابلِ اعتراض ہے، کیوں کہ اول تو اس میں علماءِ یہود سے ذوالقرنین کو نبی کہلایا گیا ہے، جب کہ یہودیوں کے بارے میں یہ طے شدہ امر

ہے کہ وہ اپنی قوم کے باہر کسی نبی کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتے اور نہ ذوالقرنین ہی کو انھوں نے نبی مانا ہے۔ دوسرے یہود نے یہ کہا کہ اس نبی کا ذکر توریت میں ایک جگہ آیا ہے۔ جب کہ ذوالقرنین نام کے کسی نبی کا ذکر توریت میں ایک جگہ بھی نہیں آیا۔ اور حضرت دانیالؑ کے خواب والے ذوالقرنین سے خورس مراد لیا جائے تو اُس کا ذکر ایک آیت میں نہیں دسیوں آیتوں میں ملتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ راوی کا مقصد یہ ہے کہ ذوالقرنین لقب کے ساتھ صرف ایک بار اُس کا مذکور ہوا ہے، تو جیسا کہ ذوالقرنین کی بحث میں تفصیل سے بیان ہوگا، فردِ واحد متعین کے لئے اس لقب کا استعمال توریت میں مطلقاً نہیں ہوا، بلکہ خوابِ دانیال کے دو سینگوں والے مینڈھے سے ایرانی بادشاہت یا کوئی ایرانی بادشاہ یا شاہانِ ایران مراد ہیں۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سورۂ کہف کی شانِ نزول سے متعلق روایتیں مشکوک ہیں۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہ مذکورۂ بالا سوال ایک وقت میں کئے گئے، نہ سوالوں کی تعداد تین تھی اور نہ سوال کرنے یا کرانے والے یہودی تھے۔ نیز اصحابِ کہف کا قصہ بلا سوال نازل ہوا تھا، اور روح کی بابت سوال کسی اور وقت کا تھا، اس لئے وہ دوسری سورت میں مذکور ہوا۔

ذوالقرنین اس سورہ کا سب سے پیچیدہ قصہ ذوالقرنین کا ہے اور اس پیچیدگی کا تعلق ذوالقرنین کی شخصیت سے ہے۔ چونکہ قرآن مجید میں اس کے نام، عہد اور وطن کا مذکور نہیں ہوا، اس لئے مفسرین قرآن از سلف تا خلف، ان گرہوں کو کھولنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ متقدمین کے چند اقوال یہ ہیں[1]

۱۔ ذوالقرنین سے مراد ایران کا بادشاہ کیقباد یا فریدون ہے۔

---

[1] دیکھئے تفسیر رازی ۵/۷۵۰، تفسیر ابن کثیر ۳/۱۰۰، تفسیر قرطبی ۱۱/۴۵، تفسیر ابی السعود ۲/۹۰، الدر المنثور ۴/۲۴۰، تاریخ طبری ۲/۶، مروج الذہب ۱/۱۴۲۲، الآثار الباقیہ للبیرونی ۴۱ (بحوالہ ازالۃ الرین ۸)، البدایہ لابن کثیر ۲/۱۰۵، تاریخ ابی الفداء ۱/ اور ثمار القلوب للثعالبی ۲۳۴۔

۲۔ ذوالقرنین ابوکرب شمس حمیری کا لقب ہے۔

۳۔ ذوالقرنین سکندر یونانی کو کہتے ہیں۔

۴۔ ذوالقرنین فرشتہ تھا۔

۵۔ ذوالقرنین ایک نیکوکار انسان تھا، جسے اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت اور سلطنت عطا کی تھی۔

۶۔ ذوالقرنین مرزبانِ مصری تھا۔

۷۔ ذوالقرنین ایک رومی جوان تھا۔

مولانا نقوی | متاخرین میں سب سے پہلے مولانا حکیم محمد حسن نقوی امروہوی (متوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) نے اپنی فارسی تفسیر موسوم بہ معالمات الاسرار (ج ۲/ ۲۳) میں لکھا ہے:

"واضح باد کہ نسبتِ ذوالقرنین در اہلِ اسلام روایت مختلف است حاجت بیان نیست، حق آن است گونا وان معترض شوند کہ مرادِ ذوالقرنین کیقباد بادشاہ فارس ومدیان است، چناں کہ در درس ۲ و ۳ فصل ۸ دانیال است۔ پس خلاف برخاست، کہ مطابق درسِ ا فصل ۵ ۴ یشعیا، مسیح کورس، کیقباد عجب بادشاہ مشرق ومغرب را خوانند، اہلِ اسلام تسلیم کنند یا نکنند۔

وچوں ذوالقرنین لقبِ کوروش کہ است و کہ معنی روح و فرشتہ است، نظر براں فاروق اکبرؓ فرمود "آیا راضی نشدید بنامہای انبیاءؑ تا آں کہ نام فرشتگان می نہید"

یہ تفسیر مطبع رضوی دہلی میں ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) میں طبع ہوئی تھی، اس لحاظ سے حکیم صاحب کا یہ قیاس کہ ذوالقرنین سے مراد کوروش بادشاہ فارس و میڈیا ہے، اور صحیفہ دانیال و صحیفہ یشعیا اس کے مؤید ہیں، ۱۸۷۶ء سے پہلے کا ہے۔

اس تفسیر کے بعد حکیم صاحب نے ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) میں ایک اردو تفسیر بنام غایۃ البرہان

لکھی۔ اس میں "یسئلونک عن ذی القرنین" کے تحت لکھتے ہیں: "اور سوال کریں تجھ سے کفار ذوالقرنین کے حال سے کہ اس نے کیا کیا۔ فصل ۸ دانیال کے خواب دانیال میں نظر اس کے کہ میڈ و فارس کا بادشاہ تھا دو سینگ کا مینڈھا نظر آیا تھا۔ باقی وجوہاتِ تراشیدہ کا اعتبار نہیں۔ قل ساتلوا علیکم منہ ذکرا۔ فوفولہ، جلد پڑھوں تمہارے اوپر اس سے ذکر انشاء اللہ تعالیٰ کہ وہ ۲۷ سال کی عمر میں بعد ۲۲ سال کی سلطنت کے ۵۳۶ ق م میں بابل کا بادشاہ ہوا اور قیدِ بابل سے قومِ یہود کو خلاص کیا۔" (ج ۲/۵۷)

اس تفسیر سے اور واضح ہو گیا کہ حکیم صاحب سائرس (خورس یا کیخسرو) کو ذوالقرنین مانتے ہیں اور اس لقب کا مبنیٰ اُن کی رائے میں خوابِ دانیال ہے۔

حکیم نورالدین | حکیم نورالدین صاحب قادیانی متوفی ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) نے اپنی کتاب موسوم بہ "تصدیق براہین احمدیہ" ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۰ء) میں لکھی ہے۔[1] اس کا جو ایڈیشن نومبر ۱۹۲۳ء میں قادیان سے شائع ہوا اس کے صفحہ ۹۴ پر لکھا ہے:

"دانیال کی کتاب میں جو بائبل کے مجموعہ میں ۲۷ ویں کتاب ہے، اُس کے ۸ باب، ۴ آیت میں حضرتِ دانیال نبی کا مکاشفہ ہے ..... اور اس مکاشفے میں یہ بات مندرج ہے، "تب میں نے اپنی آنکھ اُٹھا کر نظر کی، تو کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے آگے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ تھے۔ اور وہ دو سینگ اونچے تھے اور ایک دوسرے سے بڑا تھا۔

"پھر دانیال کو جبرئیل نے اُس مکاشفے اور خواب کی تعبیر بتائی کہ مینڈھا جسے تو نے دیکھا کہ اُس کے دو سینگ ہیں سو وہ ماد اور فارس کی بادشاہت ہے۔ (دانیال ۸-۲۰)":

اس کے بعد "حتیٰ اذا بلغ مغرب الشمس" الآیۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں "یہ بادشاہ جو دانیال کے خواب میں دو سینگ کا مینڈھا دکھائی دیا، اور فارس اور ماد کا حکمراں ہوا، اُس کا

---

[1] اس کتاب کے صفحہ ۲۰۳ پر مصنف نے ۲ اپریل ۱۸۹۰ء کو اپنے قادیان جانے کا ذکر کیا ہے۔ اور ۱۳۰۷ھ کا اختتام ۱۶ اگست ۱۸۹۰ء کو ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کتاب کو ۲ اپریل اور ۱۶ اگست کے درمیان انجام کو پہنچنا چاہیے۔

نام خورس ہے" (ص۵۰)

اس کے بعد پھر لکھا ہے "کورس یا خورس کا تسلط تمام زمین پر ہوا..... جب خورس بلوچستان میں پہنچا" (ص۵۱)

بعدازاں "حتی اذا بلغ بین السدین الآیۃ" کی تفسیر میں لکھا ہے: "یہ وہ مقام ہے جو ایران کے شمال میں حد بندکر کے مشہور ہے، اور اُس کے قریب اب تک قبہ نام کی ایک بستی اسی کیقباد خورس کے نام سے قرآن کی تصدیق کے لئے موجود ہے" (ص۵۲)

سر سید | سر سید احمد خاں متوفی ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۸ء) نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مطبوعہ ۷ر جون ۱۸۹۰ء (۱۳۰۷ھ) میں ایک مقالہ بنام "ازالۃ الغین عن قصۃ ذی القرنین" شائع کیا تھا[1] جو اسی سال کتابی شکل میں مطبع مفید عام آگرہ میں چھپا۔ اس رسالے میں سر سید نے یہ ثابت کیا ہے کہ ذوالقرنین سے مراد چین کا بادشاہ چی وانگ ٹی ہے، جس نے دیوارِ چین بنائی ہے۔ یہ غلط قدم تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ سر سید مذکورہ بالا خیالات سے واقف نہ تھے، ورنہ اُن پر ضرور اظہار خیال کرتے۔

مولانا حقانی | غالباً سر سید کا مقالہ گزٹ میں پڑھ کر مولانا عبد الحق دہلوی متوفی ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) صاحبِ تفسیرِ حقانی نے ایک رسالہ بنام "ازالۃ الرین عن قصۃ ذی القرنین" لکھ کر میر محبوب علی خاں نظام حیدرآباد کے نام معنون کیا، اور حکیم اجمل خاں وغیرہ دوستوں کی فرمائش سے فخر المطابع دہلی میں چھپوا کر شائع کیا۔

مولانا نے سر سید کی تردید کے ساتھ ساتھ مذکورۂ بالا مفسروں کی رائے کو تسلیم نہیں کیا۔ اور سب کے برخلاف لکھا کہ "جمہور محققین کا اسی پر اتفاق ہے کہ ذوالقرنین تبع حمیری ہے، اور وہ دیوار جو اُس نے بنائی، وہی ہے جو کہ کوہ یورال[1] میں واقع ہے"

---

[1] دیکھئے ازالۃ الرین عن قصۃ ذی القرنین ۱۴۔

مگر مولانا نے حضرت دانیال کی خواب کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ "اس بنا پر ذوالقرنین فارس کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ہے تباد وغیرہ جو دو سینگ والے سے یہود میں مشہور ہے، جس کا ترجمہ عربی میں ذوالقرنین ہوا"۔

تفسیر حقانی (ج ۵/ ۱۴۲) میں یہی عبارت لکھنے سے پہلے فرمایا ہے کہ "بلکہ پہلے بادشاہوں میں سے کوئی ہوگا کیخسرو کیقباد اس قول کے مطابق تو یہی بادشاہ ذوالقرنین قرار پاتا ہے اور اُس کی سند بھی کتاب دانیال کے ۸ ویں باب سے ملتی ہے"۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا اس رائے سے باخبر تھے۔ یہ اطلاع مفسر امروہوی کی کتابوں سے پہنچی یا اُن کی کتابوں کے ساتھ حکیم نورالدین صاحب کی کتاب بھی پیش نظر تھی، اس بابت یقین کے ساتھ کچھ کہنا دشوار ہے۔ مگر یاجوج و ماجوج کے سلسلے میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ "بعض صاحبوں کا یہ خیال کرلینا کہ یاجوج سے انگریز اور ماجوج سے روسی لوگ مراد ہیں، محض غلط ہے نہ اس کی کوئی سند ہے، نہ اس کا کوئی عاقل قائل ہے"۔ یاجوج و ماجوج کا یہ مطلب حکیم صاحب نے اپنی مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ ۵۲ اور ۵۴ پر بیان کیا ہے۔ لہذا مولانا کے سامنے یہ کتاب بھی ہونا چاہئے۔

مولانا عمادی | مولانا عبداللہ العمادی متوفی ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ء) نے تاریخ عرب قدیم (ص ۱۰۴) میں لکھا ہے:

قصہ مختصر ہماری رائے میں ذوالقرنین عرب تھا، اس لئے کہ

۱۔ اہل عرب علانیہ اس کے مدعی تھے۔

۲۔ خاندانِ آذواء کے تمام سلاطین کے القاب اسی طرح کے ہوا کرتے تھے۔

۳۔ بند باندھنا اور پہاڑوں کے بیچ میں دیواریں کھینچنا اہل عرب کے خصوصیات میں تھا جس کا شائبہ سد ذوالقرنین میں بھی نظر آتا ہے۔

۴۔ قرآن میں جتنے قصے مذکور ہیں، یا تو عرب اور اُن کے آباء و اجداد کے ہیں، یا بنی اسرائیل

کی کچھ سبق آموز داستانیں ہیں، جن کا عرب سے بہت قریبی تعلق تھا۔"

یہ کتاب کب لکھی گئی اور کس سنہ میں چھپی؟ اس کا پتہ نہ چل سکا۔ مگر اس کی تاریخ تمہید ۷/ مارچ ۱۹۱۵ء بتاتی ہے کہ اس کی تالیف وطباعت اس سے پہلے کی ہے۔

مولانا عباسی | مولوی احمد مکرم عباسی چریاکوٹی نے ایک کتاب "حکمۃ بالغہ" نام سے لکھی تھی تاریخ تصنیف کا ذکر کتاب میں نہیں۔ لیکن سرورق سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس اشاعت العلوم حیدرآباد نے مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ میں ۱۲/ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) کو طبع کرائی۔

اس میں مولف نے یاجوج وماجوج اور ذوالقرنین کی بھی تحقیق کی ہے۔ موخرالذکر کے بارے میں لکھا ہے:

"ذوالقرنین دنیا کے کئی بادشاہوں کا لقب ہوا ہے۔ لیکن قرآن میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے وہ کیقباد فاتح فارس ہے ... اس کا نام کیقباد اخشویرش ہے، اور کورش اول، اور سائرس کبیر کے لقب سے مشہور ہوا۔" (پھر حضرت دانیال کا خواب لکھنے کے بعد فرمایا ہے) اس خواب کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ کورش اول اخشویرش کیقباد جو حضرت دانیال کا ہم عصر تھا، فارس وغیرہ کا زبردست بادشاہ ہوگا... کورش اول کیقباد ذوالقرنین ۷۲ برس کی عمر میں ۲۲ سال کی سلطنت کے بعد ۵۳۶ق م میں بابل پر فتح یاب ہوا، اور مظلوم یہودیوں کو قید بابل سے رہا کر کے ممالک بیت المقدس میں آباد کیا۔"

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عباسی کے نزدیک قرآنی ذوالقرنین سائرس یا کورش اول ہے، اور یہ رائے انھوں نے مولانا امروہوی کی اردو تفسیر دیکھ کر قائم کی ہے۔

مولانا محمد علی لاہوری | مولوی محمد علی احمدی لاہوری متوفی ۱۳۷۱ھ (۱۹۵۱ء) نے ۱۹۱۶ء میں اپنا انگریزی ترجمۃ القرآن شائع کیا اس میں انھوں نے دارا ئے اول ہخامنشی کو دریائے دانیال کا مصداق ٹھہرایا ہے۔

بعد ازاں ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۲ء) میں بیان القرآن نام سے اُردو تفسیر لکھی جو دو تین جلدوں میں ۱۳۴۲ھ تک لاہور سے شائع ہوئی۔ اس میں انگریزی ترجمے کی بات کو ان الفاظ میں دُہرایا ہے:۔

" ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ میں بہت سی روایات ہیں ——— مگر اس کی تعیین کسی نے نہیں کی کہ کون تھا۔ اس عقدے کا حل بائبل سے ہوتا ہے جہاں دانیال کی رویا میں دو سینگ کے مینڈھے کا ذکر ہے اور اُس کی تعبیر بھی وہیں موجود ہے ———

" وہ مینڈھا جسے تو نے دیکھا کہ اُس کے دو سینگ ہیں، سو مادہ اور فارس کے بادشاہ ہیں" (دانیال ۸-۲۰)

مادہ اور فارس کے بادشاہوں میں سے دارائے اول (۵۲۱ تا ۴۸۵ ق م) وہ شخص ہے جس پر قرآن شریف کا بیان جو یہاں ذوالقرنین کے متعلق ہے، صادق آتا ہے ——— دارا اپنے کتبوں کی رُو سے زردشت کے سچے مذہب کا پکا پیرو معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ بڑا مدبر اور بڑا منتظم بھی تھا"

(۸) ترجمان القرآن جلد دوم، صفحہ ۳۹۹ میں مولانا ابوالکلام مرحوم نے تحریر فرمایا ہے:

" اس سورت میں تیسرا واقعہ جو بیان کیا گیا ہے، وہ ذوالقرنین کا ہے، کیوں کہ لوگوں نے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ تمام مفسرین متفق ہیں کہ سوال یہودیوں کی جانب سے تھا۔ اگرچہ غالباً مشرکین مکہ کی زبانی ہوا کیوں کہ سورت مکی ہے۔

قرآن نے ذوالقرنین کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے، اُس پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے، تو حسب ذیل امور سامنے آجاتے ہیں:

اوّلاً جس شخص کی نسبت پوچھا گیا ہے وہ یہودیوں میں ذوالقرنین کے نام سے مشہور تھا۔ یعنی ذوالقرنین کا لقب خود قرآن نے تجویز نہیں کیا ہے، پوچھنے والوں کا مجوزہ ہے، کیوں کہ فرمایا

ولیسئلونک عن ذی القرنین (۸۳)

ثانیاً اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اُسے حکمرانی عطا فرمائی تھی، اور ہر طرح کا ساز و سامان جو

ایک حکمراں کے بنے ہوسکتا تھا اُس کے لئے فراہم ہو گیا تھا۔

ثالثاً اُس کی بڑی مہمیں تین تھیں۔ پہلے مغربی ممالک فتح کیئے، پھر مشرقی۔ پھر ایک ایسے مقام تک فتح کرتا ہوا چلا گیا جہاں پہاڑی دَرّہ تھا، اور اُس کی دوسری طرف سے یاجوج اور ماجوج آکر لوٹ مار مچایا کرتے تھے

رابعاً اُس نے وہاں ایک نہایت محکم سد تعمیر کر دی، اور یاجوج و ماجوج کی راہ بند ہو گئی۔

خامساً وہ ایک عادل حکمراں تھا۔ جب وہ مغرب کی طرف فتح کرتا ہوا دور تک چلا گیا، تو ایک قوم ملی جس نے خیال کیا کہ دُنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح ذوالقرنین بھی ظلم و تشدد کرے گا۔ لیکن ذوالقرنین نے اعلان کیا کہ بے گناہوں کے لیے کوئی اندیشہ نہیں ہے، جو لوگ نیک عملی کی راہ چلیں گے، اُن کے لئے ویسا ہی اجر بھی ہوگا۔ البتہ ڈرنا اُنھیں چاہیئے جو جرم و بدعملی کا ارتکاب کرتے ہیں (۸۵)

سادساً وہ خدا پرست اور راست باز انسان تھا، اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا تھا (۸۷: ۹۰)

سابعاً وہ نفس پرست بادشاہوں کی طرح طامع اور حریص نہ تھا۔ جب ایک قوم نے کہا، یاجوج اور ماجوج ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ آپ ہمارے اور اُن کے درمیان ایک سد تعمیر کر دیں، ہم خراج دیں گے، تو اُس نے کہا "ما مکنی فیہ ربی خیر" جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے، وہی میرے لئے بہتر ہے۔ میں تمھارے خراج کا طامع نہیں، یعنی میں خراج کی طمع سے یہ کام نہیں کروں گا۔ اپنا فرض سمجھ کر انجام دوں گا۔

تاریخ قدیم کی جس شخصیت میں یہ تمام اوصاف و اعمال پائے جائیں، وہی ذوالقرنین ہو سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کون شخص تھا؟

"سب سے پہلا حل طلب مسئلہ جو مفسرین کے سامنے آیا، وہ اُس کے لقب کا تھا۔ عربی میں بھی اور عبرانی میں بھی قرن کے صاف معنی سینگ کے ہیں پس ذوالقرنین کا مطلب ہوا دو سینگ والا۔ لیکن چوں کہ تاریخ میں کسی ایسے بادشاہ کا سراغ نہیں ملا جس کا ایسا لقب ہو اس لئے مجبوراً قرن کے معنی میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے بہرحال مفسرین ذوالقرنین

کی شخصیت کا سُراغ نہ لگا سکے۔

اگر ذوالقرنین کے مفہوم کا کوئی سراغ ملتا تھا، تو وہ صرف ایک دُور کا اشارہ تھا جو حضرت دانیال کی کتاب میں ملتا ہے، یعنی ایک خواب جو انھوں نے بابل کی اسیری کے زمانے میں دیکھا تھا چنانچہ کتاب دانیال میں ہے: میں کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں۔ دونوں سینگ اونچے تھے، لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا، اور بڑا دوسرے کے پیچھے تھا۔ میں نے دیکھا کہ پچھم اور اتر اور دکھن کی طرف وہ سینگ مارتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی جانور اُس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا اور وہ بہت بڑا ہو گیا۔ میں یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ دیکھو پچھم کی طرف سے ایک بکرا آکے تمام روئے زمین پر پھر گیا۔ اُس بکرے کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک عجیب طرح کا سینگ تھا۔ وہ دو سینگ والے مینڈھے کے پاس آیا، اور اس پر غضب سے بھڑکا، اور اُس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے، اور مینڈھے کو قوت نہ تھی کہ اُس کا مقابلہ کرے (دانیال ۸: ۱)

پھر اس کے بعد ہے کہ جبریل نمایاں ہوا اور اُس نے اس خواب کی تعبیر بتلائی کہ دو سینگوں والا مینڈھا مادہ اور فارس کی بادشاہت ہے، اور بال والا بکرا یونان کی۔ جو بڑا سینگ اُس کی آنکھوں کے درمیان دکھائی دیا ہے، وہ اُس کا پہلا بادشاہ ہوگا (۸: ۱۵)

چونکہ اس خواب میں میڈیا اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی، اس لئے خیال ہوتا تھا کہ عجب نہیں فارس کے شہنشاہ کے لئے یہودیوں میں ذوالقرنین کا تخیل پیدا ہو گیا یعنی دو سینگوں والی شہنشاہی، اور وہ اُسے اُسی لقب سے پکارتے ہوں۔ تاہم محض ایک قیاس تھا۔ اس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہ تھی۔

لیکن ۱۸۳۸ء کے ایک انکشاف نے جس کے نتائج بہت عرصے کے بعد منظرِ عام پر آئے، اس قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا، اور معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہِ سائرس کا لقب ذوالقرنین تھا، اور یہ محض یہودیوں کا کوئی مذہبی تخیل نہ تھا، بلکہ خود سائرس کا یا باشندگان

فارس کا مجوزہ اور پسندیدہ نام تھا۔

اس انکشاف نے شک و تخمین کے تمام پردے اٹھا دئے۔ یہ خود سائرس کا ایک سنگی تمثال ہے جو اصطخر کے کھنڈروں میں دستیاب ہوا۔ اس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اُس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوتے ہیں، اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ اوپر خط میخی میں جو کتبہ کندہ تھا، اُس کا بڑا حصہ ٹوٹ کر ضائع ہو چکا ہے۔ مگر جس قدر باقی ہے، وہ اس لئے کافی ہے کہ تمثال کی شخصیت واضح ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ مادا اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دینے کا تخیل ایک مقبول اور عام تخیل تھا اور یقیناً سائرس کو ذوالقرنین کے لقب سے پکارا جاتا تھا تمثال میں پروں کا ہونا اُس کے ملکوتی صفات وفضائل کی طرف اشارہ ہے، کیوں کہ نہ صرف پارسیوں میں بلکہ تمام معاصر قوموں میں یہ اعتقاد عام طور پر پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ایک غیر معمولی نوعیت کا انسان ہے۔

دو سینگوں کا تخیل ابتداء میں کیوں کر پیدا ہوا؟ کیا اس کی بنیاد دانیال نبی کا خواب تھا یا بطور خود سائرس نے یا باشندگانِ پارس نے یہ تخیل پیدا کیا؟ اس کا فیصلہ مشکل ہے۔ لیکن اگر تورات کی روایات تسلیم کر لی جائیں تو سائرس سے لے کر ارتازرکسیز (ارتخششت) اول تک تمام شہنشاہانِ پارس انبیاء بنی اسرائیل سے عقیدت رکھتے تھے اور اس لیے ہو سکتا ہے کہ اسی خواب سے ذوالقرنین کا لقب پیدا ہو گیا ہو۔

بہرحال اب اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ سائرس کو ذوالقرنین سمجھا جاتا تھا، اور یقیناً عرب کے یہودی بھی اُسے اسی لقب سے پکارا کرتے تھے۔"

سائرس کے ظہور کی پیشین گوئیوں کے بارے میں مولانا نے یہ تحریر فرمایا ہے: "اس سلسلے میں سب سے پہلی پیشین گوئی یسعیاہ نبی کی ہے جن کا ظہور سائرس کی فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے ہوا تھا۔

اس پیشین گوئی میں خدا کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ خورس (سائرس) میرا چرواہا ہوگا، اور میں

نے اُسے اس لیے پکارا ہے کہ بنی اسرائیل کو بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے۔ نیز اُسے خدا کا مسیح بھی کہا ہے (یسعیاہ ۲۱ : ۲۴)

اسی طرح یرمیاہ نبی نے ۶۰ برس پہلے پیشین گوئی کی تھی: "قوموں کے درمیان منادی کردو اور اسے مت چھپاؤ۔ تم کہو، بابل لے لیا گیا۔ بعل رسوا ہوا۔ مرودک سراسیمہ کیا گیا۔ اُس کے بُت خجل ہوئے۔ اُس کی مورتیں پریشان کی گئیں، کیوں کہ اُتر سے ایک قوم اُس پر چڑھتی ہوئی آرہی ہے جو اُس کی سرزمین اُجاڑ دے گی یہاں تک کہ اُس میں کوئی نہیں رہے گا۔" (۵۰ : ۱)

یرمیاہ نبی نے اس کی بھی پیشین گوئی کردی تھی کہ ستر برس تک یہودی بابل میں قید رہیں گے۔ اور اس کے بعد بیت المقدس کی نئی تعمیر ہوگی: "خداوند کہتا ہے، جب بابل پر ستر برس گزر چکیں گے تو میں تمھاری خبر لینے آؤں گا۔ تب تم مجھے پکاروگے اور میں جواب دوں گا۔ تم مجھے ڈھونڈو گے اور مجھے پالوگے۔ میں تمھاری اسیری ختم کردوں گا۔ تمھیں تمھارے مکانوں میں واپس لے آؤں گا۔" (۲۹ : ۱۰)

اس پیشین گوئی میں خدا نے اپنی رحمت کی واپسی کو فتح بابل کے واقعہ سے وابستہ کیا ہے۔ گویا سائرس کا ظہور اُس کی رحمت کا ظہور ہوگا جو بنی اسرائیل پر پھر لوٹ آئے گی۔

توریت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب سائرس نے بابل فتح کیا، تو دانیال نبی نے (جو شاہانِ بابل کے وزراء میں داخل ہو گئے تھے) اُسے یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی دکھائی کہ ۱۴۰ برس پہلے اُس کے ظہور کی خبر دے دی گئی تھی۔ یہ بات دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوا، اور بیان کیا جاتا ہے کہ اسی کا نتیجہ وہ فرمان تھا جو اُس نے تعمیر ہیکل کے لئے جاری کیا۔

زمانۂ حال کے نقادان پیشین گوئیوں کی اصلیت پر مطمئن نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ پیشین گوئیاں واقعات کے ظہور کے بعد بڑھا دی گئی ہیں، خصوصاً یسعیاہ کی پیشین گوئی جس میں صریح خورس (سائرس) کا نام موجود ہے لیکن وہ اس اشتباہ کی تائید میں عقلی استغراب کے سوا اور کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے، اور محض عقلی استغراب ان صحائف کے خلاف حجت نہیں ہو سکتا جن کی نسبت یقین کیا گیا ہے کہ الہام سے لکھے گئے تھے۔"

اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں "اب غور کرو، قرآن کی تصریحات نے جو جامہ تیار کیا ہے، وہ کس طرح ٹھیک ٹھیک صرف سائرس ہی کے جسم پر راست آتا ہے ..... سب سے پہلے اس بات پر غور کرو کہ ذوالقرنین کی نسبت سوال بالاتفاق یہودیوں کی جانب سے ہوا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر یہودی بادشاہ کی شخصیت یہودیوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جا سکتی تھی، تو وہ صرف سائرس ہی کی تھی، نبیوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق، دانیال نبی کے خواب کا ظہور، رحمتِ الٰہی کی واپسی کی بشارت، بنی اسرائیل کا نجات دہندہ، خدا کا فرستادہ چرواہا اور مسیح، یروشلم کی تعمیر ثانی کا وسیلہ! پس اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُسی کی نسبت اُن کا سوال ہو۔

سدی کی ایک روایت میں بھی جو قرطبی وغیرہ نے نقل کی ہے اس طرف صریح اشارہ ملتا ہے: "قال، قالت الیہود، اخبرنا عن نبی لم یذکرہ اللہ فی التوراۃ الا فی مکان واحد قال، ومن؟ قالوا ذوالقرنین" یعنی یہودیوں نے آں حضرت سے کہا، اُس نبی کی نسبت ہمیں خبر دیجئے جس کا نام تورات میں صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے، آپ نے فرمایا؛ وہ کون؟ کہا، ذوالقرنین: چوں کہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا اشارہ صرف دانیال نبی کے خواب ہی میں آیا ہے، اس لئے یہودیوں کا یہ بیان ٹھیک ٹھیک اُسی طرف اشارہ تھا۔

علاوہ بریں سائرس کے تمثال کے انکشاف نے قطعی طور پر یہ بات آشکارا کر دی ہے کہ اُس کے سر پر دو سینگوں کا تاج رکھا گیا تھا، اور یہ فارس اور مادہ کی مملکتوں کے اجتماع و اتحاد کی علامت ہے:

اس کے بعد صحائفِ تورات کی تصریحات کے تحت فرماتے ہیں،

"اب چند لمحوں کے لئے اُن تصریحات پر غور کرو جو تورات کے صحائف میں مندرج ہیں۔ س طرح وہ سائرس کی شخصیت کی سب سے بڑی خصوصیت واضح کر رہے ہیں، اور کس طرح رآن کے اشارات بھی ٹھیک ٹھیک اُن کی تصدیق ہیں۔ یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے کہ "خداوند

کہتا ہے، خورس میرا چرواہا ہے" اور پھر یہ بھی کہا ہے کہ " وہ میرا مسیح ہے " اور یسعیاہ نبی کا بیان اور گزر چکا ہے کہ وہ بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے گا۔ اب دیکھو اس کی شخصیت ٹھیک ٹھیک ایک موعود اور منتظر دہندہ[1] کی شخصیت تھی یا نہ تھی "

پھر ارشاد ہوا ہے کہ " اس سلسلے میں آخری وصف جو ذوالقرنین کا سامنے آتا ہے، وہ اُس کا ایمان باللہ ہے۔ قرآن کی آیتیں اس بارے میں ظاہر و قطعی ہیں کہ وہ ایک خدا پرست انسان تھا، آخرت پر یقین رکھتا تھا، احکام الٰہی کے مطابق عمل کرتا تھا اور اپنی تمام کامرانیوں کو اللہ کا فضل و کرم سمجھتا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سائرس کا بھی ایسا ہی اعتقاد و عمل تھا؟ لیکن تمام پچھلی تفصیلات پڑھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ نہیں تھا۔

یہودیوں کے صحائف کی واضح شہادت موجود ہے کہ خدا نے اُسے اپنا فرستادہ اور مسیح کہا اور وہ نبیوں کا موعود و منتظر تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی ہستی خدا کی نافرمان ہستی نہیں ہو سکتی جس کا " ہاتھ خدا نے پکڑا ہو" اور جس کی ٹیڑھی راہیں وہ درست کرتا جاتے " یقیناً وہ خدا کا ناپسندیدہ بندہ نہیں ہو سکتا۔ خدا صرف اُنھیں کا ہاتھ پکڑتا ہے جو برگزیدہ اور مقدس ہوتے ہیں، اور صرف اُنھیں کو اپنا فرستادہ کہتا ہے جو اُس کے چنے ہوئے اور اُس کی ٹھہرائی ہوئی راہوں پر چلنے والے ہوتے ہیں"

اس کے بعد فرمایا ہے " اگر یہودیوں کا عام اعتقاد یہ تھا، تو کیا ایک لمحے کے لئے یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک بت پرست انسان کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنے کی جرأت کرتے؟ —— وہ سائرس کی فضیلت کے آگے جھک گئے جو اُن کے لئے ہر اعتبار سے اجنبی تھا اور نہ صرف اس کی بزرگی ہی کا اعتراف کیا، بلکہ نبیوں کا موعود اور خدا کا برگزیدہ تسلیم کیا۔ یہ صورتِ حال اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ سائرس کی شخصیت اُن کے لیے بڑی ہی محبوب شخصیت تھی، اور اُس کی فضیلتیں ایسی قطعی اور آشکارا تھیں کہ اُن کے اعتراف میں نسلی عصبیت کا جذبہ بھی حائل نہ ہو سکا، ظاہر ہے کہ ایک بُت پرست انسان کے لئے جو اجنبی بھی ہو، یہودیوں میں ایسی محبوبیت

[1] شاید لفظ نجات کا لفظ کتابت سے رہ گیا۔

پیدا نہیں ہو سکتی تھی، اگر ایک بُت پرست بادشاہ نے انھیں نجات دلائی تھی، تو وہ اُس کی شاہانہ عظمتوں کی مداحی کرتے، مگر خدا کا مسیح اور برگزیدہ کبھی نہ سمجھتے"۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سائرس کے دینی عقائد کے بارے میں ہماری معلومات کیا ہیں؟

"تاریخی حیثیت سے یہ قطعی ہے کہ سائرس زردشت کا پیرو تھا۔ بلکہ غالباً اُسی کی شخصیت ہے جو اس نئی دعوت کی تبلیغ و عروج کا ذریعہ ہوئی۔ اُس نے فارس اور میڈیا میں نئی شہنشاہی کی بنیاد ہی نہیں رکھی تھی بلکہ قدیم مجوسی دین کی جگہ نئے زردشتی دین کی بھی تخم ریزی کی تھی۔ وہ ایران میں نئی شہنشاہی اور نئے دین دونوں کا بانی تھا"۔

اس کے بعد مولانا نے بالواسطہ شہادتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ سائرس زردشتی تھا، جو توحید پرستی پر مبنی ہے، اور مجوسی نہ تھا جو ثنویت سکھاتا ہے۔ اور چوں کہ دارا نے اول موحد ہے، اور سائرس اور دارا کے درمیان تبدیل مذہب کا کوئی حوالہ نہیں ملتا، اس لیے یہ ماننا جائے گا کہ یہ کام سائرس کے وقت میں ہو چکا تھا۔ چنانچہ مولانا کے اپنے الفاظ یہ ہیں "بہرحال سائرس نے اپنی ابتدائی گمنامی کے عہد میں نئی دعوت قبول کی ہو، یا تخت نشینی کے بعد لیکن یہ قطعی ہے کہ وہ دینِ زردشتی پر عامل تھا۔ لیکن اگر ذوالقرنین دینِ زردشتی پر عامل تھا، اور قرآن ذوالقرنین کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا اثبات کرتا ہے، اتنا ہی نہیں، بلکہ اُسے ملہم من اللہ قرار دیتا ہے، تو کیا اس سے لازم نہیں آتا کہ زردشت کی تعلیم دینِ حق کی تعلیم تھی؟ یقیناً لازم آتا ہے۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اس لزوم سے بچنے کی ہم کوشش کریں، کیوں کہ یہ حقیقت اب پوری طرح روشنی میں آچکی ہے کہ زردشت کی تعلیم سرتاسر خدا پرستی اور نیک عمل کی تعلیم تھی، اور آتش پرستی اور ثنویت کا اعتقاد اُس کا پیدا کیا ہوا اعتقاد نہیں ہے۔ بلکہ قدیم میڈیسی مجوسیت کا ردِ عمل ہے۔

مولانا نے اس کے بعد "دارا کے فرامین" کے چند اقتباس دیے ہیں جن میں خدا نے

برتراہور مزدہ کا بار بار ذکر آیا ہے ان کو نقل کر کے آپ نے فرمایا ہے: "یاد رہے کہ دارا سائرس کا معاصر تھا اور اُس کی وفات سے صرف ۸ برس بعد تخت نشین ہوا۔ پس دارا کی صداؤں میں ہم خود سائرس کی صدائیں سُن رہے ہیں۔ اُس کا بار بار اپنی کامرانیوں کو اہور مزدہ کے فضل و کرم سے منسوب کرنا ٹھیک ٹھیک ذوالقرنین کے اس طریق خطاب کی تصدیق ہے کہ ھذا رحمۃ من ربی۔"(۹۸)

مولانا کے مذکورۂ اقتباسات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ

(۱) قرآن مجید کا ذوالقرنین ایران کے ہخامنشی خاندان کا بانی کوروس (خورس یا کیخسرو) تھا

(۲) قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین نہ صرف مومن اور صالح تھا، بلکہ ملہم من اللہ بھی تھا۔

(۳) توریت کی متعدد کتابیں بھی یہی بتاتی ہیں کہ وہ اللہ کا چرواہا، اُس کا مسیح اور ملہم تھا۔

(۴) کوروس یا سائرس کو نہ صرف یہودی ذوالقرنین کہتے ہیں، بلکہ اُسے ایرانی بھی اسی لقب سے یاد کرتے ہیں۔

ندوۃ المصنفین دہلی کی ایک جدید کتاب

تہذیب کی تشکیل جدید

اخلاق و عادات حسن ذوق و عمل قوموں کے اصول و قوانین اُن کی زندگی کے نصب العین وغیرہ یہ چیزیں ہیں جو تہذیب کے دائرے میں آتی ہیں۔ مغربی تہذیب دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہے ایک گروہ تو وہ ہے جو مشرق کو مغرب میں دراندازی کا موقعہ دینا نہیں چاہتا۔ دوسرا گروہ جو تکوین و تشکیل کے ہر مرحلہ میں مشرق ہی کو اثر انداز مانتا ہے اس افراط و تفریط کی وجہ قومی عصبیت صلیبی جنگیں مطالعہ و تحقیق کی کمی وغیرہ ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں تشکیل جدید کے بنیادی خدوخال بیان کرنے کے ساتھ یہ کوشش کی ہے کہ زندگی میں مغربی تہذیب کے اثرات کا کسی قدر تفصیلی ذکر ہوجائے تاکہ دونوں کے تقابلی مطالعہ میں سہولت ہو مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے والوں کے لئے ایک محققانہ کتاب، کتاب کے مطالعہ سے تہذیب کی تشکیل جدید کے تمام عنوانات روشن ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔

صفحات ۳۳۰ قیمت سولہ روپے